خرم علیم*

مجید امجد کی شاعری میں وقت کا تصور

ادب کائنات کے تمام موضوعات کا تخلیقی و علامتی اظہار کرتا ہے۔ موجودہ عہد میں ادب کی تفہیم کے لیے جدید سماجی علوم کا جاننا ازحد ضروری ہے۔ ادبی تربیت وتنقیدی مسائل کے ساتھ ساتھ دیگر علوم سے آشنائی ہمارے تنقیدی شعور کو وسعت عطا کرتی ہے۔ جدید عہد میں سائنس بھی ایسے علوم میں شامل ہوتی جا رہی ہے جس کا شعور ادب کی تفہیم کے لیے ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو ادب کے ابتدائی دور سے لے کر موجود عہد تک بہت سے سائنسی مسائل ادب میں زیر بحث لائے گئے ہیں۔ سب سے پہلے یہ سائنسی شعور غالب، پھر اقبال اور اس کے بعد مجید امجد کے ہاں ملتا ہے۔ مجید امجد کی شاعری میں وقت کا تصور سائنسی بنیادوں پر استوار ہے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ وہ کائنات کے اسرار و رموز پر مسلسل غور کرتے رہے اور کائنات ان کی شاعری کا ایک سب سے اہم موضوع ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

میں فکرِ رازِ ہستی کا پرستار
میری تسبیح کے دانے، زمانے

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں جتنی بھی اشیا استعمال کر رہے ہیں، ان میں سے بہت سی اشیاء کا تعلق کسی نہ

---

* خرم علیم، استاد، شعبہ اُردو، سوپیریئر کالج، فیصل آباد۔

کسی طرح سے طبعیات (physics) کے ساتھ ہے۔ اس لیے طبعیات ہماری زندگی میں بہت زیادہ عمل دخل رکھتی ہے، خواہ اس کا احساس ہمیں ہو یا نہ ہو۔ ''وقت'' کا موضوع طبعیات کا اہم ترین مسئلہ ہے جس میں زمان و مکاں دونوں شامل ہیں۔ ان کے لیے astronomy کی ایک الگ شاخ کام کرتی ہے۔ ''وقت'' کا مسئلہ مجید امجد کا خاص موضوع رہا اور وہ اس گتھی کو سلجھانے کی مسلسل کوشش کرتے رہے اور حیران کن حد تک انہوں نے وقت کے موضوع کو سائنسی بنیادوں پر استوار کر کے اس کی تفہیم کو ممکن بنایا۔ کلیاتِ مجید امجد میں بے شمار نظمیں ایسی ہیں جس کا موضوع ''تصورِ وقت'' ہے۔ انہوں نے وقت کے تصور کو ان نظموں میں صرف ٹھوس حقائق کی صورت میں بیان نہیں کر دیا بلکہ شاعرانہ تجربے کی کٹھالی میں پگھلا کر وقت کے تصور کو ایک خاص منطق کے تحت بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کی پہلی باقاعدہ نظم ''کنواں'' ہے جس میں وقت کے تصور کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ نظم وقت کے تصور کو سمجھنے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے مگر، بدقسمتی سے مجید امجد کے تصورِ وقت کو سمجھنے کے لیے ناقدین اسی نظم کی درست تفہیم نہیں کر پائے اور مجید امجد کے وقت کے تصور کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اسی بنیادی غلط فہمی نے آج تک مجید امجد کی شاعری میں وقت کے تصور کو واضح ہی نہیں ہونے دیا۔ اکثر ناقدین نے کہا کہ مجید امجد کے ہاں وقت ایک چکر کی مانند ہے، جیسے کنواں چکر میں گردش کرتا ہے۔ یہی نظریہ قدیم زمانے میں بھی موجود تھا کہ ''وقت دائرہ ہے''۔ پھر ہیگل نے جدلیاتی حوالے سے تاریخ کو دائرہ یا پہیے کا چکر کہہ دیا۔ مگر، مجید امجد کی پوری شاعری میں وقت کے دائروی نظریے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ یہی وہ بنیادی وجہ تھی جس کے تحت یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ مجید امجد کی شاعری کا سات سال سے شب و روز مطالعہ کرنے کے بعد میرے نزدیک ان کی شاعری میں وقت نہ تو دائرہ ہے، نہ خطِ مستقیم اور نہ ہی قوس ہے۔ تو پھر ان کے نزدیک وقت ہے کیا؟

اور اک نغمۂ سرمدی کان میں آ رہا ہے مسلسل کنواں چل رہا ہے
پیاپے مگر نرم رو اس کی رفتار پیہم مگر بے تکان اس کی گردش
عدم سے ازل تک، ازل سے ابد تک بدلتی نہیں ایک آن اس کی گردش
نہ جانے لیے اپنے دولاب کی آستینوں میں کتنے جہاں اس کی گردش
رواں ہے رواں ہے
تپاں ہے تپاں ہے

بنیاد جلد دوم شمارہ:۱، ۲۰۱۱ء

یہ چکر یونہی جاوداں چل رہا ہے
کنواں چل رہا ہے
(کنواں)

نظم کنواں کو زیر بحث لاتے ہوئے ڈاکٹر سید عامر سہیل لکھتے ہیں:

> مجید امجد وقت کو سیدھی لکیر کی مانند قرار نہیں دیتے کہ جہاں واقعات مخالف سمت میں گزرتے ہوئے ماضی کی گپھا میں ڈوب جاتے ہیں بلکہ وقت کے دائروی تصور کے حامل ہیں۔[۱]

سید عامر سہیل نے ایک نظم کو بنیاد بناتے ہوئے مجید امجد کے ہاں وقت کے دائروی نظریے کی سند دے دی۔ حالانکہ انہیں مجید امجد کی شاعری کا کلی طور مطالعہ کر کے ان کے ہاں وقت کے تصور کو کلیت میں دیکھنا چاہیے تھا۔ ''کنواں'' نظم میں کنوئیں کا چکر وقت کی علامت نہیں ہے بلکہ وہ تو اجرامِ فلکی کی گردش کو ظاہر کرتا ہے۔ کنواں چلنے سے جو پیداوار حاصل ہو رہی ہے، وہ پانی ہے۔ مجید امجد کے ہاں وقت کے لیے ہر جگہ پانی کی علامت استعمال ہوئی ہے۔ اس حوالے سے یہ کہا جائے گا کہ اس کائنات میں جتنے بھی اجرامِ فلکی، کہکشائیں، ستارے، سورج گردش کر رہے ہیں، وہ رہٹ (کنوئیں) جیسی ایک مشین ہیں جس کی گردش وقت کو تخلیق کر رہی ہے۔ لہٰذا وقت ایک پیداواری عنصر ہے۔ مجید امجد کے ہاں ابتداء میں وقت کے لیے کنوئیں کے پانی کی علامت استعمال ہوئی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ کنوئیں کا پانی سمندر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ میرا اشارہ نظم ''امروز'' کی طرف ہے:

ابد کے سمندر کی اک موج جس پر مری زندگی کا کنول تیرتا ہے،
کسی اَن سُنی دائمی راگنی کی کوئی تان آزردہ آوارہ برباد،
جو دم بھر کو آ کر مری الجھی الجھی سی سانسوں کے سنگیت میں ڈھل گئی ہے
(امروز)

اس کے علاوہ وقت کے حوالے سے ''مرے خدا مرے دل''، ''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیم طرب''، ''دوام''، ''۲۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر''، ''وقت''، ''سانحات''، ''بس سٹینڈ پر''، ''مقبرۂ جہانگیر'' اور ''رودادِ زمانہ'' اہم نظمیں ہیں۔

مجید امجد کے ہاں وقت ایک سمندر کی طرح ہے جس نے آبی مخلوق کی طرح اس تمام کائنات کو اپنی لپیٹ میں رکھا ہے۔ جس طرح سمندر کے اندر موجود ساری حیات کا انحصار پانی کی

کسی طرح سے طبعیات (physics) کے ساتھ ہے۔ اس لیے طبعیات ہماری زندگی میں بہت زیادہ عمل دخل رکھتی ہے، خواہ اس کا احساس ہمیں ہو یا نہ ہو۔ ''وقت'' کا موضوع طبعیات کا اہم ترین مسئلہ ہے جس میں زمان و مکاں دونوں شامل ہیں۔ ان کے لیے astronomy کی ایک الگ شاخ کام کرتی ہے۔ ''وقت'' کا مسئلہ مجید امجد کا خاص موضوع رہا اور وہ اس گتھی کو سلجھانے کی مسلسل کوشش کرتے رہے اور حیران کن حد تک انہوں نے وقت کے موضوع کو سائنسی بنیادوں پر استوار کر کے اس کی تفہیم کو ممکن بنایا۔ کلیاتِ مجید امجد میں بے شمار نظمیں ایسی ہیں جس کا موضوع ''تصورِ وقت'' ہے۔ انہوں نے وقت کے تصور کو ان نظموں میں صرف ٹھوس حقائق کی صورت میں بیان نہیں کر دیا بلکہ شاعرانہ تجربے کی کٹھالی میں پگھلا کر وقت کے تصور کو ایک خاص منطق کے تحت بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کی پہلی باقاعدہ نظم ''کنواں'' ہے جس میں وقت کے تصور کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ نظم وقت کے تصور کو سمجھنے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے مگر، بدقسمتی سے مجید امجد کے تصورِ وقت کو سمجھنے کے لیے ناقدین اس نظم کی درست تفہیم نہیں کر پائے اور مجید امجد کے وقت کے تصور کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اسی بنیادی غلط فہمی نے آج تک مجید امجد کی شاعری میں وقت کے تصور کو واضح ہی نہیں ہونے دیا۔ اکثر ناقدین نے کہا کہ مجید امجد کے ہاں وقت ایک چکر کی مانند ہے، جیسے کنواں چکر میں گردش کرتا ہے۔ یہی نظریہ قدیم زمانے میں بھی موجود تھا کہ ''وقت دائرہ ہے''۔ پھر ہیگل نے جدلیاتی حوالے سے تاریخ کو دائرہ یا پہیے کا چکر کہہ دیا۔ مگر، مجید امجد کی پوری شاعری میں وقت کے دائروی نظریے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ یہی وہ بنیادی وجہ تھی جس کے تحت یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ مجید امجد کی شاعری کا سات سال سے شب و روز مطالعہ کرنے کے بعد میرے نزدیک ان کی شاعری میں وقت نہ تو دائرہ ہے، نہ خطِ مستقیم اور نہ ہی قوس ہے۔

تو پھر ان کے نزدیک وقت ہے کیا؟

اور اک نغمۂ سرمدی کان میں آ رہا ہے مسلسل کنواں چل رہا ہے
پیاپے مگر نرم رو اس کی رفتار پیہم مگر بے تکان اس کی گردش
عدم سے ازل تک، ازل سے ابد تک بدلتی نہیں ایک آن اس کی گردش
نہ جانے لیے اپنے دولاب کی آستینوں میں کتنے جہاں اس کی گردش
رواں ہے رواں ہے
تپاں ہے تپاں ہے

یہ چکر یونہی جاوداں چل رہا ہے
کنواں چل رہا ہے
(کنواں)

نظم کنواں کو زیرِ بحث لاتے ہوئے ڈاکٹر سید عامر سہیل لکھتے ہیں:

> مجید امجد وقت کو سیدھی لکیر کی مانند قرار نہیں دیتے کہ جہاں واقعات مخالف سمت میں گزرتے ہوئے ماضی کی گپھا میں ڈوب جاتے ہیں بلکہ وقت کے دائروی تصور کے حامل ہیں۔[۱]

سید عامر سہیل نے ایک نظم کو بنیاد بناتے ہوئے مجید امجد کے ہاں وقت کے دائروی نظریے کی سند دے دی۔ حالانکہ انہیں مجید امجد کی شاعری کا کلی طور مطالعہ کر کے ان کے ہاں وقت کے تصور کو کلیت میں دیکھنا چاہیے تھا۔ ''کنواں'' نظم میں کنوئیں کا چکر وقت کی علامت نہیں ہے بلکہ وہ تو اجرامِ فلکی کی گردش کو ظاہر کرتا ہے۔ کنواں چلنے سے جو پیداوار حاصل ہو رہی ہے، وہ پانی ہے۔ مجید امجد کے ہاں وقت کے لیے ہر جگہ پانی کی علامت استعمال ہوئی ہے۔ اس حوالے سے یہ کہا جائے گا کہ اس کائنات میں جتنے بھی اجرامِ فلکی، کہکشائیں، ستارے، سورج گردش کر رہے ہیں، وہ رہٹ (کنوئیں) جیسی ایک مشین ہیں جس کی گردش وقت کو تخلیق کر رہی ہے۔ لہٰذا وقت ایک پیداواری عنصر ہے۔ مجید امجد کے ہاں ابتداء میں وقت کے لیے کنوئیں کے پانی کی علامت استعمال ہوئی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ کنوئیں کا پانی سمندر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ میرا اشارہ نظم ''امروز'' کی طرف ہے:

ابد کے سمندر کی اک موج جس پر مری زندگی کا کنول تیرتا ہے،
کسی اَن سُنی دائمی راگنی کی کوئی تان آزردہ آوارہ برباد،
جو دم بھر کو آ کر مری الجھی الجھی سی سانسوں کے سنگیت میں ڈھل گئی ہے
(امروز)

اس کے علاوہ وقت کے حوالے سے ''مرے خدا مرے دل''، ''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب''، ''دوام''، ''۲۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر''، ''وقت''، ''سانحات''، ''بس سٹینڈ پر''، ''مقبرۂ جہانگیر'' اور ''رودادِ زمانہ'' اہم نظمیں ہیں۔

مجید امجد کے ہاں وقت ایک سمندر کی طرح ہے جس نے آبی مخلوق کی طرح اس تمام کائنات کو اپنی لپیٹ میں رکھا ہے۔ جس طرح سمندر کے اندر موجود ساری حیات کا انحصار پانی کی

موجودگی پر ہے، اسی طرح سے کائنات کی ہر چیز کا انحصار وقت کی موجودگی پر ہے۔ مجید امجد کے نزدیک وقت اس کائنات کا ایک اہم ترین عنصر ہے جس کے بغیر زندگی کا وجود ناممکن ہے۔ جیسے زندہ رہنے کے لیے ہوا، پانی، روشنی اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح کائنات کے وجود کے ثبات اور ارتقا کے لیے وقت بھی اتنا ہی اہم ہے۔ فرق یہ ہے کہ سمندر کا پانی مرئی ہے اور وقت غیر مرئی۔ جس طرح انسان دیگر اشیا کو استعمال کرتے ہیں، اسی طرح سے وہ وقت کو بھی صرف کرتے ہیں۔ وقت ہمارے اندر ڈھلا ہوا ہے۔ وقت صرف بھی ہو رہا ہے اور پیدا بھی ہو رہا ہے۔ یہ سمندر کی طرح سے قدیم بھی ہے اور تر و تازہ بھی۔ اس میں بھی لہریں اٹھتی رہتی ہیں جس سے کائنات میں تعمیر یا تخریب ہوتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی اس میں بڑے بڑے طوفان اٹھتے ہیں اور بہت کچھ تباہ ہو کے رہ جاتا ہے۔ مثلاً:

ہاں اسی طرح سرِ سطحِ سوادِ ایام
بارہا جنبشِ یک موج کے ہلکورے میں
بہہ گئے غولِ بیاباں کے گرانڈیل اجسام
بارہا تند ہوائیں چلیں، طوفاں آئے
مگر اک پھول سے چمٹی ہوئی تتلی
نہ گری

(روداد زمانہ)

وقت کے حوالے سے مجید امجد کا نظریہ ہے کہ اس کا ایک آغاز تھا اور اسی طرح سے اس کا ایک اختتام بھی ہوگا۔ جب کائنات تخلیق ہوئی تو وقت بھی تخلیق کیا گیا اور جب کائنات ختم ہوگی تو یہ وقت کی عدمیت کی وجہ سے ہی ختم ہوگی۔ مجید امجد کی شاعری میں Big Bang کا تصور موجود ہے:

تیرے ہی دائرے کا جزو ہیں وہ دور کہ جب
چٹانیں پگھلیں، ستارے جلے، زمانے ڈھلے
وہ گردشیں جنہیں اپنا کے اَن گنت سورج
ترے سفر میں بجھے تو انہی اندھیروں سے
دوامِ درد کی اک صبح ابھری، پھول کھلے

مہک اٹھی، تری دنیا مرے خدا، مرے دل

(مرے خدا، مرے دل)

اور پھر اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا جب وقت بھی عدم ہو جائے گا۔ مجید امجد کا محسوساتی نظامِ وقت کے تصور کو بہت سنجیدگی اور باریکی سے بیان کرتا ہے۔ وہ شب و روز اسی فکر میں رہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے کہا ہے:

وہ گھونٹ زہر کا جو مجھی کو پینا پڑا
یہ زہر کون پیے، کون اپنے سینے میں
یہ آگ انڈیل کے ان ساحلوں سے
بھید چنے، جہاں میں بکھرے ہیں
صد ہا صداقتوں کے صدف
یہ زہر کون پیے، کون بجھتی آنکھوں سے
غروبِ وقت کے خندق کے پار دیکھ سکے
جہاں ازل کے بیاباں میں عمر پیا ہے
حقیقتوں کا وہ دھارا کہ جس کی لہروں میں آج
گلوں کا رس بھی ہے، فولاد کا پسینہ بھی
مرا شعور انہی گھاٹیوں میں بھٹکا ہے

(مرے خدا، مرے دل)

اس کے علاوہ یہ کہ مجید امجد نے زمینی اور کائناتی وقت میں فرق روا رکھا ہے اور یہی وہ نظریہ ہے جو آئن سٹائن نے پیش کیا تھا۔ مجید امجد کے ہاں زمینی اور کائناتی یا کونیاتی وقت میں جو فرق ہے، اس کے مطابق ہر جگہ وقت ایک سا نہیں ہے۔ اس کے مختلف دائرے یا لہریں ہیں۔ اس حوالے سے ''امروز'' میں لکھتے ہیں کہ ''یہ جو کچھ کہ میرے زمانے میں ہے اور یہ جو کچھ کہ اس کے زمانے میں مَیں ہوں''، یعنی انسانی زمانہ یا وقت اور خدائی زمانہ یا وقت، اِن میں فرق ہے۔ ایک زمانہ ہم پہ بیت رہا ہے جس کی اہمیت صرف ایک لمحۂ مختصر کی سی ہے مگر ''آہ یہ لمحۂ مختصر میری زندگی، میرا زادِ سفر ہے''، اسی انسانی وقت اور خدائی وقت کو ہم زمینی اور کائناتی وقت کہہ سکتے

ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

امجد کی پوری شاعری پر وقت کا احساس جاری ہے۔ کبھی کبھی تو یہ خیال آنے لگتا ہے کہ ان کے ہاں خدا کا متبادل وقت ہے۔ ''خدائے بے وقت تو ہے جاودانی'' جیسے مصرعوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔[۲]

پھر کہتے ہیں:

امجد کے ہاں وقت کا تصور ایک اندھیری رات کا ہے جو ہماری طرف بڑھتا آ رہا ہے۔[۳]

مجید امجد کے نزدیک انسان اس کائنات کی سب سے عظیم مخلوق ہے۔ وہ اس پوری کائنات پر برتری رکھتا ہے۔ ''۲۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر'' مجید امجد کے سائنسی شعور کی بہترین غماز ہے۔ یہ نظم ۱۹۴۲ء میں لکھی گئی۔ فزکس کا اصول ہے کہ موجودہ زمانے کو آنے والے زمانے میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح مجید امجد نے ۱۹۴۲ء میں ۲۹۴۲ء کے زمانے یعنی ایک ہزار سال بعد دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نظم ان کے سائنسی شعور اور شغف کی بہترین مثال ہے۔ اس وقت تک ہمارے ہاں سائنسی علوم نے اس قدر ترقی حاصل نہیں کی تھی۔ اس نظم میں مجید امجد نے انسان کو خدائی مخلوقات سے جنگ کرتے دکھایا ہے اور آخر میں جیت انسان کی ہوگی، تاہم یہ جیت تبھی ممکن ہے جب وہ اپنے شعور، عقل اور ذہن کے ساتھ ساتھ اپنی جسمانی حرکت کو بھی تیز کر لیں گے، یعنی speed of light سے سفر کریں گے:

پھاند جاؤ حدیں زمانوں کی
تھام لو باگ آسمانوں کی

ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

مستقبل شناسی کے حوالے سے مجید امجد کی اہم ترین نظم ۲۹۴۲ء کا جنگی پوسٹر ہے۔ یہ نظم ۱۸/جولائی ۱۹۴۲ء کو لکھی گئی۔ میری محدود معلومات کے مطابق ۱۹۴۲ء میں ہمارے یہاں خلا کے بارے میں بہت کم معلومات میسر تھیں۔[۴]

بہر حال، مجید امجد کی شاعری میں وقت کا تصور انتہائی واضح اور فلسفیانہ موشگافیوں سے پاک ہے۔ ان کے ہاں وقت کا روایتی تصور کہیں بھی نہیں ہے۔ وقت کو سمجھنے کی جو بنیاد صدیوں سے قائم ہو چکی تھی، مجید امجد نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے نظریات کے ذریعے وقت کی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں وقت مختصراً اس طرح سے بیان ہوا ہے:

۱۔ وقت ایک پیداواری عنصر ہے جو خدا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔

۲۔ وقت خدا کی سب سے بڑی قدرتوں میں سے ہے۔ اسی لیے اس حدیث کی تفہیم ہو جاتی ہے کہ ''زمانے کو برا مت کہو، کیونکہ زمانہ میں ہوں۔''

۳۔ وقت کے لیے سمندر کی علامت استعمال ہوئی ہے۔ وقت نے کائنات کو ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

۴۔ وقت صَرف بھی ہو رہا ہے اور پیدا بھی ہو رہا ہے۔

۵۔ مجید امجد کے ہاں وقت دائرہ، قوس اور مستقیم وغیرہ کے چکروں سے آزاد ہے۔

۶۔ انسان کا ماضی، حال اور مستقبل کچھ نہیں ہے۔ کائنات کا ماضی، حال اور مستقبل اس سے وسیع و عریض ہے۔

۷۔ کون و مکاں کی گردش وقت کو تخلیق کر رہی ہے، اس لیے وقت پیدا بھی ہو رہا ہے اور مر بھی رہا ہے۔

۸۔ جس طرح سے کائنات پیدا ہوئی ہے، اسی طرح سے مر جائے گی۔ وقت کی موت ہی کائنات کی موت ہے۔

مجید امجد نے وقت کو صرف فلسفیانہ اور سپاٹ سائنسی موضوع کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کے جمالیاتی پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھا ہے جس کی بہترین مثال ان کی نظم ''امروز'' کے اس حصے میں نظر آتی ہے جس میں وقت کی جبریت اور طاقت کے ساتھ ساتھ اس کے جمالیاتی پہلوؤں کو بھی انتہائی خوبصورتی اور اسلوب کی چاشنی کے ساتھ بیان کی سطح تک لایا گیا ہے:

مگر آہ یہ لمحۂ مختصر مری زندگی مرا زادِ سفر ہے
مرے ساتھ ہے، میرے بس میں ہے، میری ہتھیلی پہ ہے یہ لبالب پیالہ
یہی کچھ ہے لے دے کے میرے لیے اس خراباتِ شام و سحر میں یہی کچھ
یہ اک مہلتِ کاوشِ دردِ ہستی، یہ اک فرصتِ کوششِ آہ و نالہ۔۔۔۔

یہ صہبائے امروز جو صبح کی شاہزادی کی مست انکھڑیوں سے ٹپک کر
بدورِ حیات آ گئی ہے، یہ ننھی سی چڑیاں جو چھت میں چہکنے لگی ہیں

ہوا کا یہ جھونکا جو میرے دریچے میں تلسی کی ٹہنی کو لرزا گیا ہے
پڑوسن کے آنگن میں پانی کے نلکے پہ یہ چوڑیاں جو چھنکنے لگی ہیں
یہ دنیائے امروز میری ہے، میرے دلِ زار کی دھڑکنوں کی امیں ہے
یہ اشکوں سے شاداب دو چار صبحیں، یہ آہوں سے معمور دو چار شامیں
انہی چلمنوں سے مجھے دیکھنا ہے، وہ جو کچھ نظروں کی زد میں نہیں ہے

(امروز)

اس ساری بحث کو ہم یوں سمیٹ سکتے ہیں کہ ''مجید امجد وقت کے تصور کو زندگی کے چھوٹے چھوٹے مظاہر سے پیوست کرتے ہیں۔ دورِ زماں پر اگر کونیاتی سطح سے غور کیا جائے تو اپنی ہستی میں بھی شک پڑتا ہے''۔ ۵

حوالہ جات

۱۔ عامر سہیل *نقش گرِ ناتمام* (لاہور: پاکستان کوآپرٹیو رائٹرز ایسوی ایشن، ۲۰۰۸ء)، ۱۴۔

۲۔ خواجہ محمد زکریا، *چند اہم اور جدید شاعر* (لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۳ء)، ۵۳۔

۳۔ زکریا، *چند اہم اور جدید شاعر*، ۴۳۔

۴۔ محمد امین، ''مجید امجد کی مستقبل شناسی،'' *ادبیات* ۱۳ (۲۰۰۱ء): ۶۶۔

۵۔ یہ بات سہیل احمد خان نے ۲۰۰۷ء میں جی سی یونیورسٹی میں ایم فل اُردو کے لیکچر کے دوران کہی۔

مآخذ

امجد، مجید۔ *کلیات مجید امجد*۔ مرتبہ خواجہ محمد زکریا۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔

امین، محمد۔ ''مجید امجد کی مستقبل شناسی۔'' *ادبیات* ۱۳ (۲۰۰۱ء): ۴۷۔۶۶۔

زکریا، خواجہ محمد۔ *چند اہم اور جدید شاعر*۔ لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۳ء۔

سہیل، عامر۔ *نقش گرِ ناتمام*۔ لاہور: پاکستان کوآپرٹیو رائٹرز ایسوی ایشن، ۲۰۰۸ء۔